بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نسبتِ بے ستون

(شعری مجموعہ)

خسرو صفی

○ نامِ کتاب : نسبتِ بے ستون
(دوسرا شعری مجموعہ)

○ نامِ مصنف : سید معین اللہ حسینی، قلمی نام: ضرر وصفی

○ پتہ : 34-3-8 مٹو گڈہ، محبوب نگر- 509002

○ تعدادِ اشاعت : ۵۰۰ بارِ اوّل

○ سنہ اشاعت : سنہ ۲۰۰۲ء

○ کتابت : محمد عبد الحلیم امجد، یم اے

○ طباعت : فاضل پرنٹنگ پریس
گورنمنٹ ہاسپٹل روڈ محبوب نگر فون 43576

○ قیمت Rs.100/-

ملنے کے پتے :-

○ بمکانِ مصنف 34-3-8 مٹو گڈہ محبوب نگر- 509002 فون 72938

○ حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان حیدر آباد

○ ماہنامہ رنگ و بو، 18-8-3/A
عیدی بازار حیدر آباد- 23 (اے پی)

○ مکتبۂ رفاہِ عامہ، نزد درگاہ حضرت بندہ نواز رح
گیارہ سیڑھی ضلع گلبرگہ (کرناٹک)

اِنتساب

میں اپنے اِس دوسرے مجموعہ کلام
نِسبتِ بے ستون کا انتساب

؎ پیری میں یہ طاقت ہیکہ فرزند جواں ہے

سیّد وصی اللہ حسینی بی۔ای۔میکانیکل (عثمانیہ)
ملازم ٹی سی ایس

کے نام منسوب کرتا ہوں۔

ضرر وصفی

ترتیب و پیشکش

- افسرالنسا بیگم دُردانہ
  مولوی فاضل

- زینت ساجدہ بیگم
  یم۔اے، بی ایڈ (عثمانیہ)

- قُدسیہ پروین
  بی یس سی، یم اے (عثمانیہ)

- نایاب فرزانہ، بی یل، یل یل یم (عثمانیہ)

کچھ ضررؔ وصفی کے بارے میں

ضررؔ وصفی کا سلسلۂ نسب ہندستان کے مشہور صوفی بزرگ حضرت سیّد شاہ جلال الدین حسینی چشتی قدس سرہٗ سے ملتا ہے۔ جن کا لقب سیّد شاہ چندا حسینیؒ ہے جن کا مزار بمقام کوگی ضلع گلبرگہ شریف میں ہے۔ ضررؔ وصفی کے دادا حضرت سیّد شاہ عبداللہ حسینی شہید کوسگوی نے اپنی ایک منقبت میں اِس کا اظہار کیا ہے۔

؎ شہیدِ زار کی اِمداد ہر مشکل میں ہوتی ہے
کہ وہ مشہور ہے پوتا جلال الدین چشتیؒ کا

ضررؔ وصفی کے حقیقی دادا حضرت سیّد شاہ عبداللہ حسینیؒ شہید کوسگوی ابتدأً حریف کوسگوی تخلّص کرتے تھے۔ لالہ سری رام مصنف خم خانۂ جاوید جلد دوّم میں (ح) کے زمرے میں حریف کوسگوی کو داغؔ کا شاگرد بتلایا ہے۔ اُن کا مختصر تعارف اور نمونۂ کلام بھی موجود ہے۔ شہید کوسگوی کی غزلیں، قصیدے، نعت اور فارسی کلام کے علاوہ سالار جنگ سوّم میر یوسف علی خاں کی کوسگی آمد پر سالار جنگ کی مدح میں ۱۲۱ اشعار پر مشتمل بے نقط قصیدہ (فارسی) پیش کیا تھا جس پر سالار جنگ نے انعام واکرام سے سرفراز فرمایا تھا۔

ضررؔ وصفی کے اجداد کو قطب شاہی سلاطین نے معاش مشروط الخدمت نقد یومیہ وغیرہ عطا کی تھی جو تا حال بحال ہے۔ یہ سادات گھرانہ کوسگی ضلع محبوب نگر میں آباد ہو گیا تھا۔ بیجاپور کی سلطنتِ عادل شاہی کے بیشتر سلاطین حضرت سیّد شاہ چندا حسینیؒ قدس سرہ کے مریدین تھے جو آپ کی درگاہ کے احاطے میں مدفون ہیں۔

مشہور دکنی شاعر مصنف من لگن (دکنی مثنوی) قاضی محمود بحری نے حضرت سیّد شاہ چندا حسینیؒ کا نسب نامہ فارسی مثنوی میں لکھا ہے جو حضورِ اکرمؐ سے ملتا ہے۔ ضررؔ وصفی کے والد محترم نے اُن کی پیدائش کے وقت اُن کا نام سیّد معین اللہ حسینی رکھا

ضررؔ وصفی کے والدِ محترم حضرت سیّد شاہ عبداللہ حسینی شہید کوسگویؒ کے فرزندِ اکبر تھے، ضررؔ وصفی کے والد قاضی سیّد عثمان حسینیؒ بشرؔ تخلص کرتے تھے۔

اہلِ بیت سے محبّت کے ثبوت میں آپ کے تحریر کردہ سلام نہایت ہی درد انگیز ہیں۔ ضرر وصفی کے والدِ محترم بہ زمانۂ جاگیرا بہ سلسلۂ ملازمت کوسگی، افضل پور چیٹنا پور ضلع بشیر آباد پائیگاہ میں مقیم رہے۔ حضرت شہید کوسگویؒ کا انتقال بھی بمقام بشیر آباد ہوا جو اپنے بڑے فرزند کے ہاں مقیم تھے۔ بتاریخ ۱۲ر شوال ۱۳۵۹ ھجری

چونکہ ضرر وصفی کی پیدائش بھی بشیر آباد میں ۱۶ر رجب ۱۳۵۷ہجری مطابق ۶ر آبان ۱۳۴۷ فصلی بروز یکشنبہ ۷ بجے دِن ہوئی۔ ضرر وصفی کے والدِ محترم بشیر آباد میں داروغۂ محبس تھے۔ اثنائے ملازمت اُن کا انتقال بھی وہیں ہوا۔

کم سنی میں ضرر وصفی کے والد کے انتقال کی وجہ سے مناسب تعلیم و تربیت نہ ہوسکی۔ بیوہ والدہ محترمہ کی سرپرستی میں سنِ بلوغ کو پہونچے، طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کیا جو ناقابلِ بیان ہیں۔ بچپن ہی سے فارسی عربی اُردو کی تعلیم حاصل کی۔ گھر کا ماحول ادبی تھا چنانچہ کم عمری میں ہی شعر موزوں کیا کرتے تھے۔ ۱۹۵۴ء سے باقاعدہ طور پر شاعری کے میدان میں اپنے جوہر دکھا رہے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں اِن کا پہلا مجموعۂ کلام "شب چراغ" کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ ہندو پاک کے رسائل میں ضرر وصفی کا کلام وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہتا ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ ضرر وصفی کا یہ دوسرا مجموعۂ کلام "نسبتِ بے ستون" دنیائے اردو ادب میں قدر و عزت کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ اور مجھے اِس بات کی بھی توقع اُمید ہے کہ ضرر وصفی کا ادبی دنیا میں یہ شعری سفر پوری کامیابی کے ساتھ جاری رہے گا۔ اِس مجموعہ میں ضرر وصفی کا وہ منتخبہ کلام موجود ہے جو انہوں نے ۱۹۹۲ء تا ۲۰۰۲ء کے دوران لکھا ہے۔

سیّدہ اَمتہ الکلثوم (انیسؔ)
بی ایس سی، بی ایڈ (عثمانیہ)
یم ایس سی (علیگ)
ڈائٹ کالج وقار آباد (ضلع رنگا ریڈی)
(اے پی)

نسبتِ بے ستون ضرر وصفی

حمد

صحرا　محفل محفل　جن و بشر میں
دریا　آہٹ آہٹ　موج و بھنور میں

قریہ　دھڑکن دھڑکن　آبِ گہر میں
تنکا　لحظہ لحظہ　خیر و شر میں

قطرہ　لمحہ لمحہ　شام و سحر میں
ذرّہ　اللہ اللہ　قلبِ ضرر میں

ریزہ　تیرا جلوہ　مہر مبیں میں
اللہ　تیری قدرت　قمر حسیں میں

من میں　بحر و بر میں　اللہ اللہ
ین میں　خشک و تر میں　تو ہی تو ہے

جادہ　گل میں ثمر میں
منزل　شاخ و شجر میں　عالم عالم
گوشہ　حور و ملک میں　تیری ضو ہے

نقشِ پا

وہ نقشِ پا ہی چراغِ راہ ہے
وہ نقشِ پا ہی تو سجدہ گاہ ہے
وہ نقشِ پائے حضورِ اکرمؐ
وہ نقشِ پا ہے عظیم و برتر
نقشِ پا کا ہے عشق افضل
نقشِ پا کے لئے جو بوسے

دل و نگاہ ہوگئے منوّر
نقشِ پا کی یہ برکتیں ہیں
ہدایتیں ہی ہدایتیں ہیں
اُس خاک ہی کا یہ معجزہ ہے
قصرِ کسریٰ میں لرزشیں ہیں
نجاتِ دنیا و دیں کا ضامن
وہ نقشِ پا ہے عظیم و برتر
صفا و مروا کی چوٹیوں سے
حنین و خندق کے معرکوں تک
طائف سے یثرب کی ہجرتوں تک
حرا کی تنہائیوں سے لے کر
سدرۃ المنتہیٰ تک
وہ نقشِ پا ضو فشاں رہا ہے
وہ نقشِ پا ضو فشاں رہے گا

☆

رحمتِ عالمؐ

دشتِ ویراں میں کوئی پھول کھلانے آئے
تیرہ راہوں میں کوئی مہر اگانے آئے

شور موجوں کا سمندر میں تلاطم جیسے
آبشاروں کا فضاؤں میں ترنم جیسے

جیسے انگشتِ قلندر سے ہو تاروں میں کھنک
دفعتاً عرش پہ لہرا کے نکل آئے دھنک

کربِ تخلیق سے فن کار کے ماتھے پہ شکن
جیسے غربت میں مسافر کے لیے یادِ وطن

پردۂ شب میں نہاں مہرِ منوّر جیسے
دستِ موسٰی کا عصا بن گیا اژدر جیسے

صاحبِ کشف پہ اسرارِ خودی جیسے کھلے
جیسے اصحابِ کہف نیند سے صدیوں کی اٹھے

کشتئ نوح بھی طوفاں سے نکل سکتی ہے
نارِ نمرود بھی گلشن میں بدل سکتی ہے

لوحِ محفوظ پہ انساں کے رقم ہیں جو اصول
آخری معجزۂ قرآں کا حرا میں ہے نزول

محمد ﷺ نورِ ازل نورِ مجسم ﷺ کا ظہور
سارے عالم کے لیے رحمتِ عالم کا ظہور

پیڑ

ماحول کی کثافت
دم گھٹ رہا ہو جیسے
تازہ ہوا بھی آئے
بے خانما پرندے
شاخوں پہ بسر کرلیں
ہر شب کی سحر کرلیں
افتادہ زمینوں پر
کچھ پیڑ لگا دینا



سناٹا

اُف یہ رگ رگ میں
دہکتی ہوئی کرب کی آگ
درد اور ٹیس سے کراہتا بدن
سانس چلتی ہوئی تلوار کوئی
ڈھال بن جاتا ہے کمزور بدن
جھیل سکتا ہے یہ آزار کوئی
دشت میں اب نہیں دیوار کوئی
اس کھنڈر میں کوئی آسیب نہیں
عالم ہُو ہے کوئی سناٹا
ہر طرف شہرِ خموشاں کی طرح

خوابِ بہار

گیت کوئی میرا کا
میر کی غزل جیسے
ماحول مہک اُٹھا
پازیب چھنک اُٹھی
آنکھوں میں مچل اُٹھے
کچھ خواب بہاروں کے
کوئل کی صداؤں پر
دِل جیسے دہک اُٹھے
یا دل میں دبی کوئی
چنگاری سلگ اُٹھی
اور جسم بھی جل اُٹھے
سائے میں چناروں کے
آنکھوں میں مچل اُٹھے
کچھ خواب بہاروں کے

٭

اعترافِ حق

روشن دماغ اِس طرح ظلمت مٹا گیا
خورشید پر پڑے ہوئے پردے ہٹا گیا

حق کا عظیم بوجھ یوں ہنس کر اٹھا گیا
گھر بار سب لٹا گیا سر کو کٹا گیا

ہرگز گوارا تھا نہ صداقت سے اِنحراف
سر کو کٹا کے کر دیا حق کا اِعتراف

میری جوانی

جھیل کے شفاف پانی میں ہو پارے کی چمک
قند جیسے شیر میں ہو جیسے آٹے میں نمک

سانولے پن کا وہ سونا جیسے کندن کی دمک
تھی میری بپھری جوانی جیسے کوندے کی لپک

تھا میرا دلکش سراپا جیسے چیتے کی جھلک
کالے کالے بادلوں میں جیسے بجلی کی تھرک

دوپہر کی دھوپ میں ہو آبشاروں کی خنک
جیسے ہو امرائیوں میں میٹھی میٹھی سی مہک

گویا تھی میری جوانی چاند کی سندر زمیں
مجھ سے ملنے بات کرنے کو ترستے تھے حسیں

سپردگی

یہ متانت یہ ملاحت یہ کشش کا عالم
گرمیٔ قربِ نگیں کی یہ تپش کا عالم

رشکِ خورشید وہ مہتاب مشابہ پیکر
ساغرِ لمس میری روح میں انڈلتا جائے

میری رگ رگ میں کوئی برق رواں ہو جیسے
وہ بدن ہے کہ تہِ آب چراغاں کا سماں

آتشِ گل سے چمن شعلہ بہ داماں جیسے
کسمساتی ہوئی باہوں میں کوئی صبحِ درخشاں جیسے

کاسۂ چشم میں دریائے محبت آجائے
جیسے آغوش میں آفاق کی وسعت آجائے

ہجر زدہ

شام کا سایہ یہ ویران کھنڈر تنہائی
یادِ ایامِ گذشتہ سے سلگتا ہے وجود

راکھ کے ڈھیر کی مانند بکھرتا ہے وجود
شام یوں رات میں تبدیل ہوئی جاتی ہے

رات آسیب زدہ کالی بلا ہو جیسے
ٹمٹماتے جھلملاتے کسی مفلس کا دیا ہو جیسے

دور تک دشت کے سنّاٹے پر
صرف اِک شہرِ خموشاں کا گماں ہوتا ہے

دفعتاً تیز ہوئی جاتی ہے سانسوں کی صدا
دشت میں ابلقِ ایام کے ٹاپوں کی صدا

کوئی پہلو سے اُٹھا ہے صبحِ خنداں کی طرح
زندگی کربِ مسلسل شبِ ہجراں کی طرح

قافلے دشت میں آتے ہیں گزر جاتے ہیں
دیر تک کانوں میں آوازِ جرس رہتی ہے



جزیرہ

میں اِک مغرور شہزادہ
الگ ہے سلطنت میری
کٹ کر رہ گیا ہوں ساحلوں سے
بنالی ہے الگ پہچان اپنی

سرگوشی

تنہائی کے بھوت نے مجھ سے
تنہا پا کر سرگوشی کی
وصفیؔ صاحب کل کس غم میں
آپ نے شب بھر مئے نوشی کی

☆

زائچہ

لکیریں میرے ہاتھوں کی شکستہ ہیں
زائچہ مقسوم کا میرا ابھی تو نامکمل ہے

شکستہ یہ لکیریں خوب صورت پھول بن جائیں
تو پھر میں اِک مکمل آدمی بن جاؤں دنیا کا

کوئی امید باقی اب نہیں ہے یہ لکیریں ایک ہونے کی
گناہ میں مبتلا اِک شخص کے پھر نیک ہونے کی

نائٹ شفٹ

صبح سے شام تک سوتے رہے
شام کو صبح کی مانند اُٹھے
رات کو دن کی طرح برتا کئے



بنسبت بے ستون مضر وصفی

اجنبی

تم اجنبی ہو مگر جب نظر ملاتے ہو
تمہاری آنکھیں مجھے اجنبی نہیں لگتیں

جنم جنم سے مجھے جانتی ہیں لگتا ہے
میرے مزاج کو پہچانتی ہیں لگتا ہے

ستارے مانگ میں ہیں چاندنی سی گالوں پر
نثار رات کی رانی مہکتے بالوں پر

یہ بلبلا ہے اسے اک بھنور تو ہونے دو
صدف کے خول سے باہر گہر تو ہونے دو

ہماری دوری اگر قرب میں بدل جائے
رُکی رُکی سی یہ نبضِ حیات چل جائے

خلوص پیار محبت ہو دشمنی نہ رہے
نظر ملاؤ کہ چہرہ بھی اجنبی نہ رہے

بھوک

اِنسانوں کی ہو یا بونوں کی چاہت
اپنی اپنی بھوکیں ہیں ہم دونوں کی چاہت

زخم نوا

رفتہ رفتہ بھر گئے زخم تو تلوار کے
گھاؤ تازہ ہیں مگر آپ کی گفتار کے

زلزلہ

جب بھی میں عزمِ سفر کرتا ہوں
کئی آباد مکانوں کو کھنڈر کرتا ہوں



حوّا کی بیٹیاں

(اپنے عہد کی حسینوں کے نام)

ہم سفر خوشبوؤں کے یہ ہمراہیاں
یہ آدم نہ حوّا کی ہیں بیٹیاں

سنکتی فضاؤں میں پرواہیاں
یہ جل تھل یہ بہتی ہوئی ندّیاں

سنگِ اسود کی جیسے حسیں چوٹیاں
دِلوں پر کڑکتی ہوی بجلیاں

دِلوں کو جو گرمائے وہ نرمیاں
ہیں آفاق کی اُن سے رنگینیاں

ہر عہد میں از ازل تا ابد
دلوں پر رہی ہیں صدا حکمراں

چٹک جیسے غنچے کی گل کی ہنسی
گلابوں پہ بھونرے کی آشفتگی

نمو کی یہ کیسی روش تم میں ہے
پراسرار جذب و کشش تم میں ہے

کرشمہ ہے جیسے کوہِ قاف کا
بدن کا تلاطم بھنور ناف کا

تلاطم میں جیسے سفینے ہیں گم
حسن و مستی کے اِن میں دفینے ہیں گم

رنگین لباسوں میں کوندے چھپائے ہوئے
عضوئے تناسل سے نطفے چرائے ہوئے

نشۂ عشق و مستی میں سرشار ہیں
نسلِ آدم کی واحد یہ معمار ہیں

وجود

رقص کرتا ہوا اک شعلۂ بے باک
دفعتاً بن گیا انگارہ کیوں
اُف یہ اک شعلۂ عریاں کا وجود
اب کوئی آگ ہی باقی ہے نہ دود
صرف اِک راکھ کا ڈھیر
وہ بھی بے تاب بِکھرنے کے لئے

شاعری

سوچ کے سمندر سے
غوطہ خور لمحوں نے
جو صدف نکالے ہیں
ان میں کچھ گہر بھی ہیں
یا ہیں یہ خزف ریزے
وقت ہی بتائے گا

٭٭٭

ماتمِ خانقاہ

تقویٰ قناعت نہ پاکیزگی
اسلاف کی سی کہاں بزرگی

بے جا رسوماتِ بے ہودگی
گم رہی کے اندھیرے عدم آگہی

عباؤں قباؤں میں سہمی ہوئی
کھوکھلی شخصیت کی یہ بے چہرگی

اُجالوں کو پہنچی ہوئی تیرگی
سراپا تجارت ہے سجّادگی

حبِّ نبیؐ ہے نہ حبِّ خُدا
پیشِ نظر اپنی آسودگی

خانقاہ بن گئی گنجفہ گاہ
گرفتارِ دامِ ہوس خواجگی

فاقوں میں بھی شانِ سلطانی تھی
کہاں اب وہ شاہیں صفت زندگی

آنکھیں ہوس ناک آتشِ فشاں
خوفِ خُدا ہے نہ شرمندگی

زن پرستی نے چاٹا شب و روز کی
باقی نہیں زعمِ مردانگی

سینوں میں ایماں کی گرمی نہیں
منظروں کو بخشے جو تابندگی

قمقموں سے سجی مسندیں، گنبدیں
زر تار عماموں کی رخشندگی

بت پرستی کو دے درسِ وحدانیت
نہیں ایسی بے باک فرزانگی

شعلہ بہ داماں ہے سارا چمن
تتلی کی ہم رقص گل زیرگی



زمین

ڈھلوان ہے کہیں پہ کہیں پر بلند ہے
دھرتی بھی آدمی کی طرح خود پسند ہے

ہے نرم یہ کہیں پہ کہیں پر یہ سخت ہے
جنگل کہیں گھنے ہیں کہیں بے درخت ہے

آتش فشاں سے آگ برستی ہوئی کہیں
اِک بوند کو زمین ترستی ہوئی کہیں

اُونچے پہاڑ، جھیل ہیں چشمے بھی آبشار
چھوٹے بڑے جزیرے سمندر بھی بے کنار

گردش سے دن اور رات بنے ماہ و سال بھی
پوشیدہ اس کی تہہ میں ہے دھانوں کا جال بھی

سونا اُگل رہی ہے کہیں اور کہیں گہر
پوشیدہ اس میں رِزق بشر بھی تو ہے ضرر

صدیوں سے مہر و ماہ ہیں اِس کے طواف میں
جیسے کوئی ولی ہو ضرر اعتکاف میں

تیرہ شبی کا رابطہ صبحِ حسیں سے ہے
موت و حیات دونوں کا رشتہ زمیں سے ہے



بنسبت سے ستون حضرو صفی

روشنی سے نفرت ہے

سرمئی اندھیروں میں
خواب بنتا رہتا ہے
روشنی سے نفرت ہے
زندگی ہے اِک ناگن
رقص جس کی فطرت ہے
زہر جس کے بس میں ہے
قہر جس کے بس میں ہے
آدمی سپیرا ہے
راگ جِس کا پیشہ ہے
راگنی سے الفت ہے
کس سے کس کو چاہت ہے
خود سے ہی محبت ہے
اپنی اپنی بھوکیں ہیں
اک فریب دل داری
یہ وفا ہے عیاری
پھر ہوس کی شہزادی

نسبتِ بے ستون صفر و صفی

لے رہی ہے انگڑائی
آدمی کی تنہائی
غم کی جیسے ہو کھائی
ایک دور وہ بھی تھا
جسم کو یہاں انساں
کھال اور پتوں سے
جب چھپاتا پھرتا تھا
جنگلوں میں غاروں میں
پھر نئی اِک ہجرت ہے
روشنی سے نفرت ہے
آج چاند تاروں پر
ڈال کر کمند اپنی
سینکڑوں برس پہلے
سو چکا ہے جیسا تھا
پھر ہوس کے ڈیروں میں
سرمئی اندھیروں میں
خواب بنتا رہتا ہے
روشنی سے نفرت ہے

٭

گنجِ گہر

(والدہ محترمہ کی یادیں)

یادِ ایامِ گذشتہ کی سُلگتی ہوئی یادوں کا ہجوم
اُف یہ یادیں ہیں کہ آکاش پہ تاروں کا ہجوم

اور ان تاروں میں اِک چاند سا چہرہ ہے عظیم
شفقتیں جس کی تر و تازہ گلابوں کی طرح

جو برستا رہا رحمت کی گھٹاؤں کی طرح
تپتے صحراؤں میں چادر سی بنی جس کی دُعا

جو کہ تا عمر لٹاتا ہی رہا گوہرِ اخلاص و وفا
اُس کی یادیں ہی تو ہستی کا اثاثہ ٹھہریں

اِس اثاثے کو لئے ٹھوکریں کھاتا در در
بیٹھ کے وقت کی دہلیز پہ رونا چاہوں

باوجود ضبط کے آنسو جو نکل جاتے ہیں
سیپ میں قطرۂ نیساں ہے کہ ڈھل جاتے ہیں





ہر رنج و غم عزیز ہے ہجرت قبول ہے
پتھر ہیں پیٹ پر کبھی چہرے پہ دھول ہے

نورِ ازل وہ پیکرِ یزداں کہیں جسے
پہروں حِرا میں فکرِ بشر سے ملول ہے

جو آپؐ کی رضا ہے وہ اللہ کی رضا
جو آپ کا اصول خدا کا اصول ہے

کانٹے بکھیرتا ہوا یہ حق کی راہ میں
بوجہل بھی تو جیسے ضررؔ اک ببول ہے



نورِ ازل سے جس گھڑی غارِ حرا روشن ہوا
تا ابد انسانیت کا راستہ روشن ہوا

چشمِ باطن وا ہوئی منظر نیا روشن ہوا
اک دیا جب بجھ گیا تو دوسرا روشن ہوا

ہر رگ و پئے ہیں چراغوں کی قطاریں میں رواں
گرمیِ قربِ نگیں کا معجزہ روشن ہوا

معرکہ در معرکہ اِک کربلا درپیش ہے
وقت کے نیزے پہ ہر پل سر نیا روشن ہوا

اِک خلش تھی دل میں آنکھوں میں چبھن ہونے لگی
اور صفِ مژگاں پہ آکر اِک دیا روشن ہوا

دیدۂ یعقوب میں بینائی آئی لوٹ کر
حسنِ یوسف سے جو زنداں مصر کا روشن ہوا

ذاتِ اقدس سے حضر نسبت کا یہ توفیض ہے
اِس بلا کی تیرگی میں دل میرا روشن ہوا





سرِ میداں جب آتے ہیں کفن بر دوش تھوڑی دیر
سرِ شاہی کو خم کرتے ہیں خرقہ پوش تھوڑی دیر

تصوّر کا کرشمہ گرمیٔ آغوش تھوڑی دیر
بہ فیضِ چشم مئے گوں ہو گئے مدہوش تھوڑی دیر

ہمیشہ بے خود بے ہوش رہنا بن گئی عادت سی اک میری
میں زندہ رہ نہیں سکتا کبھی با ہوش تھوڑی دیر

دکھا دیتے ضررو صفی انھیں ہم عشق کی شدت
اگر وہ آزمانے پر بہ ضد ہوتے ہمارا جوش تھوڑی دیر



تمہارے قرب کی لذت بڑی شگفتہ ہے
بہت دنوں سے طبیعت بڑی شگفتہ ہے

دل و نظر کی طہارت بڑی شگفتہ ہے
وہ روبرو ہیں عبادت بڑی شگفتہ ہے

تھی بجلیوں کی تڑپ میری نوجوانی میں
یہ تن بدن میں حرارت بڑی شگفتہ ہے

غزل میں عارض و لب کا ہو تذکرہ وصفی
یہ میر جی کی روایت بڑی شگفتہ ہے



پیڑ تو سب سبز تھے لیکن ثمر آتا نہ تھا
باغباں کو باغبانی کا ہُنر آتا نہ تھا

ریت پر بکھرے ہوئے تھے ہر طرف خالی صدف
دستِ غوطہ خور میں کوئی گُہر آتا نہ تھا

کتنے دِلکش تھے بلاوے اُن نگاہوں کے صغر
راہ سے بھٹکا ہوا پھر راہ پر آتا نہ تھا



نذرِ ظلمت ہوا ہے سر میرا
صبحِ نو احترام کر میرا

ہم سفر مجھ کو یاد کرتے ہیں
دیکھ کر آندھیوں میں پر میرا

بے کراں دشت ہو کا سناٹا
اِک بگولہ ہے ہم سفر میرا

ڈھل گیا خونِ دل جو لفظوں میں
ہو گیا شعر معتبر میرا

زد میں پتھراؤ کی ہے ہر لمحہ
شہر میں کانچ کا ہے گھر میرا

آخری تیر ہوں میں ترکش کا
وار خالی نہیں ضرر میرا



نیند آنکھوں میں نہیں خواب نگاہوں میں نہیں
خوشبو سانسوں میں نہیں آپ جو باہوں میں نہیں

سوزش و کرب بھی اب میری کراہوں میں نہیں
صرف اٹھتا ہے دھواں شعلے نوا ہوں میں نہیں

ہجرتیں ہیں وہی تکلیفِ سفر بھی ہے وہی
اب وہ اگلی سی نوازش بھی خواہوں میں نہیں

دائمی حبس ہے شفاف فضاؤں سے گئے
زندگی کے کوئی آثار ہواؤں میں نہیں

میری وحشت کو ضرر دشتِ نوردی ہے پسند
عشق میرا کسی محمل کی پناہوں میں نہیں





چھوٹ باطل کو حقائق پہ ہو پہرہ جیسے
ایک پُر ہول سا ہر سمت اندھیرا جیسے

حاصلِ عشق یہی بین کا لہرا جیسے
مست کر دیتا ہے ناگن کو سپیرا جیسے

نہ کوئی جھیل نہ دریا نہ کنواں ہے اس میں
زندگی ہے کوئی تپتا ہوا صحرا جیسے

یوں تری زلف کے سائے میں پڑا ہے وحشی
بن میں کیوڑے کے ہو ناگوں کا بسیرا جیسے

دھوپ جاڑوں کی کسی چاند نگر کی مانند
وقت کے ساتھ ہو موسم بھی سنہرا جیسے

کرب لمحوں میں سمندر کا بنے گا سیلاب
شور موجوں کا ہوا اور بھی گہرا جیسے

رنگ ٹھہرے ہوئے پانی کا بدلتا ہے ضرر
اپنی پہچان مٹا دے کوئی چہرہ جیسے





ہاتھ کو دِل کی دکھن پر رکھ دو
لب ذرا لب کی جلن پر رکھ دو

کرب جلتے ہوئے صحراؤں کا
میرے زخموں کی چبھن پر رکھ دو

ظلم سہنا ہے وفاؤں کی سرشت
بوجھ نازک سے بدن پر رکھ دو

خاطرِ حق جو ہے لازم تو ضرور
سر کو تم دار و رسن پر رکھ دو



حملہ ہوا فصیل کی دیوار گر پڑی
کر کے غرورِ شاہ کو مسمار گر پڑی

رن میں جو میرے ہاتھ سے تلوار گر پڑی
دشمن کے حق میں دولتِ بیدار گر پڑی

خوفِ سزا سے اپنی انگوٹھی کو چوس کر
پھر اک کنیزِ شاہ سرِ دربار گر پڑی

پیادوں نے بڑھ کے جنگ کا نقشہ بدل دیا
سب کی نظر سے وقعتِ اسوار گر پڑی

اوصاف کی کسوٹی پہ کستے ہیں شخص کو
بنسی رعونتوں کی تو دستار گر پڑی



نہ کر منتِ ناخدا چھوڑ دے
سفینہ بہ نامِ خدا چھوڑ دے

تیرہ راہوں میں کوئی ضیا چھوڑ دے
جگمگاتا ہوا نقشِ پا چھوڑ دے

رحمت سے اس کی نہ مایوس ہو
اُٹھا کر نہ دستِ دعا چھوڑ دے

امتحاں حوصلوں کا جو مقصود ہو
رکھ کے آندھی کے آگے دیا چھوڑ دے



تھا امتحانِ صبر و رضا قتل ہو گئی
دشتِ بلا میں آلِ عبا قتل ہو گئی

مہر و مہ و نجوم کو گہنا دیا گیا
آئی جو ظلمتوں میں ضیا قتل ہو گئی

ہم مصلحت شناس بچا لائے اپنا سر
اپنی بغاوتوں پہ انا قتل ہو گئی

تتلی کا رقص زیر گُلِ گل کا ارتعاش
صحنِ چمن میں آکے صبا قتل ہو گئی

ان وادیوں میں اب نہیں آسیب کا گزر
مدت ہوئی کہ کوہِ ندا قتل ہو گئی

اِک دلخراش چیخ سنی رات کو صفر
شوہر کے ہاتھوں ماہ لقا قتل ہو گئی



گردشوں میں ایاغ کی صورت
ہم ہیں روشن چراغ کی صورت

تازہ کاری یہ میرے زخموں کی
اندرونے میں باغ کی صورت

میں کہ شاہیں صفت بلندی پر
تم پھدکتے ہو زاغ کی صورت

سرخ چہرے پہ ان کے کالا تِل
رخِ لالہ پہ داغ کی صورت



دل ہے میرا کہ کوئی قلندر نہ پوچھیئے
سجتی ہے روز محفلِ اندر نہ پوچھیئے

منظر ہیں کتنے آنکھ کے اندر نہ پوچھیئے
آنکھیں میری ہیں کتنی تونگر نہ پوچھیئے

محرومیوں سے تھا میرا رشتہ تمام عمر
آوارہ گرد کیوں ہوا در در نہ پوچھیئے

اُس کا ہی ذکر اُس کی ہی قامت کا تذکرہ
اِک بات بھی مزاج سے ہٹ کر نہ پوچھیئے

ꕥ



آپ پر قربان ہو کر رہ گئی
زندگی دھن وان ہو کر رہ گئی

وہ نظر انجان ہو کر رہ گئی
باعثِ ہیجان ہو کر رہ گئی

در بدر یک مشتِ خاک کا اعجاز تھا
آوارگی عرفان ہو کر رہ گئی

بت تراشے اتنے تری یاد میں
دھرتی دیوِ استان ہو کر رہ گئی

کاغذی تحریر شاہی مہر سے
قتل کا فرمان ہو کر رہ گئی

تھا کرشمہ عِشق آدم زاد کا
جَل پری اِنسان ہو کر رہ گئی

کرب میں ڈوبی ہوئی ہنسی ضرر
میرؔ کا دیوان ہو کر رہ گئی





رائج الوقت نصابوں کی طرح
ہم ہیں ہاتھوں میں کتابوں کی طرح

پاس بیٹھا تو سمندر سا لگا
دور سے تھا جو سرابوں کی طرح

دیکھ کر اس کو گماں ہوتا ہے
کبھی آنکھوں میں تھا خوابوں کی طرح

تیز نظریں تری، اندازِ نظر کو میرے
تاڑ لیتی ہیں عقابوں کی طرح

ایک احساسِ زیاں ساتھ ہے اب
در بہ در خانہ خرابوں کی طرح

راہ میں بھیڑ تھی چہروں کی مگر
ہمہ افتخام گلابوں کی طرح



کعبہ ہو کہیں کوئی بُت خانہ نظر آئے
ہر شخص یہاں تیرا دیوانہ نظر آئے

ناقوس و اذاں بھی ہیں اِک نعرۂ مستانہ
کچھ شیخ و برہمن میں یارانہ نظر آئے

ہر جرعۂ مئے میں ہے اِک جلوۂ جانانہ
پی لینا جہاں پر بھی مئے خانہ نظر آئے

کہتی ہے جسے دنیا دیوانوں کی بستی ہے
ہر شخص وہاں کا تو فرزانہ نظر آئے

لہجے میں خسرو صفی شیرینی اگر ہو تو
ہر تلخ حقیقت بھی افسانہ نظر آئے



قہقہے کانوں میں ہلتی بالیاں
یہ ہمیشہ مُسکرانے والیاں

یہ مٹک کر راہ چلنے والیاں
ہر قدم پر وار کرنے والیاں

رقص میں لہراتے ہاتھوں پر گماں
جیسے سیبوں سے لدی ہوں ڈالیاں

آگ بھڑکانا ہی جن کا کام ہے
توپ کی بندوق کی یہ نالیاں

واہ واہ کا شور تھا ہر سو مگر
صرف شاعر کو ملی ہیں تالیاں

بنسبت بے ستون ضرور صفی



رہِ طلب میں کہاں آگہی نے ساتھ دیا
جنونِ عشق کی دیوانگی نے ساتھ دیا

چراغ بجھ گئے آندھی کی زد میں جو آئے
چراغِ فکر کی تابندگی نے ساتھ دیا

عجب طرح سے لیا امتحان پیاسوں کا
لبِ فرات پہ بھی تشنگی نے ساتھ دیا

رہِ حیات میں تھا رہنما بھی رہبر بھی
رہِ عدم میں بھی حُبِّ نبیؐ نے ساتھ دیا

برہنگی میں تھا خاک کے لحد لباس میرا
مِلا جو خاک میں تو خاک ہی نے ساتھ دیا

طلسمِ ہوش ربا تھا جہاں کا ہر منظر
ہم اہلِ ظرف کا تو سادگی نے ساتھ دیا



تارا جبیں پہ اپنی کوئی لب کشا نہ تھا
طغیانیوں کا ریت پہ لکھا فسانہ نہ تھا

اِک آبِ گم شدہ کا تصوّر لئے ہوئے
صحرا بہ صحرا دوشِ فضا پر روانہ تھا

پاگل ہوا کی زد میں ہوں اب جھومتا ہوا
ٹوٹا جو شاخ سے تو سفر والہانہ تھا

حُسنِ سبا کی جا کے سلیماں کو دی خبر
ہُد ہُد کا بھی مزاج بڑا عاشقانہ تھا

سیراب کر کے جِسم کی لذّت سے رات بھر
غائب ہوا وہ جیسے کھنڈر کا خزانہ تھا

اِک کشمکش تناؤ سا اِک اپنے آپ سے
کب خود سے بھی سلوک میرا دوستانہ تھا

آہن مزاج جِسم کے اعضا تھے سب ضرر
میرا وجود آگ سے ہرگز جلا نہ تھا





سارا بدن ہے چھلنی سوچ
نشتر بن کر چبھتی سوچ

صحرا صحرا پھیلی سوچ
ذرہ ذرہ بکھری سوچ

سیپ سمندر گہری سوچ
ساحل ساحل ٹھہری سوچ

آندھی بن کر اُٹھی سوچ
بادل بن کر برسی سوچ

سوچ رہا ہے کب سے وہ
یزداں کی ہے لمبی سوچ

نسیم شبی اور تنہائی
سورج بن کر اُبھری سوچ

سوچ کا دریا اُترا ہے
ہر سو دیکھو بکھری سوچ

کرن کرن میں رقصاں ہے
سورج کی ہر اُجلی سوچ

دُھند چھٹے گی کب یہ ضرر
میں بھی سوچوں تو بھی سوچ





سلوٹ میں چھپی خوشبو
سالنوں میں بسی خوشبو

کوثر سے دھلی خوشبو
پیکر میں ڈھلی خوشبو

ہر روز نیا پیکر
ہر روز نئی خوشبو

گھر سارا مہکتا ہے
آنگن میں اُگی خوشبو

ہم ہو گئے افسردہ
پہلو سے چلی خوشبو

بچھڑی تھی جو مدت سے
رستے میں ملی خوشبو

تھی بند کلی کل تک
وہ آج بنی خوشبو

دیوانہ ہوا پاگل
غائب جو ہوئی خوشبو

کیوڑا ہو کہ صندل ہو
سب میں ہے وہی خوشبو

وہ جا بھی چکے لیکن
تا دیر رہی خوشبو

تاج و اجنتا سے
آتی ہے ایسی خوشبو

لازم ہے پرکھ اُس کی
اچھی کہ بُری خوشبو

تخلیق کی رگ رگ میں
خالق کی رچی خوشبو

پہچانو ضرر صاحب
آتی ہے کوئی خوشبو





پرندے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اپنے آشیانے
درختوں کو برہنہ کردیا ہے پھر ہوا نے

بہت دشوار ہے اِس شہر میں تو سانس لینا
فضا میں زہر اگلتے جا رہے ہیں کارخانے

کوئی دستک بھی اب دیتا نہیں ہے گھر پہ آکر
کسی سے دل بھی آمادہ نہیں ملنے ملانے

ہجوم یاس میں جب خاک پہ سر رکھ کے روتا ہوں
کوئی پشتِ خمیدہ لے کے آجاتا ہے سمجھانے

ضرر وصفی ملا ہے کرب ہجرت کا تو ورثے میں
کہاں لے جائے گی یہ بے گھری آخر خدا جانے



سب گھوم پھر کے آئے ہیں عراق کیا کریں
ملتا نہیں ہے اب کہیں تریاق کیا کریں

لمحات عشرتوں کے ہوئے شاق کیا کریں
آئے نہ وصل راس تو عشاق کیا کریں

اِک چلتی پھرتی لاش ہے اِس دور میں بشر
کوئی خلوص پیار نہ اخلاق کیا کریں

لاشیں مچلتا خون دھماکوں کے درمیاں
کشمیر بن چکا ہے اب عراق کیا کریں

یہ ہجرتوں کا کرب تو صدیوں سے ساتھ ہے
ہوتا نہیں ہے قرض یہ بے باق کیا کریں

آنکھیں تھیں شاہراہ پہ جلتے ہوئے چراغ
دل تھا تمہاری دید کا مشتاق کیا کریں

سب چیدہ چیدہ بکھرے ہوئے واقعات ہیں
یکجا کتابِ زیست کے اوراق کیا کریں

مورث تو کوئی چاہیئے میراث کے لئے
فرزندِ ناخلف کو بھلا عاق کیا کریں

ہر وصف ہو گیا ہے ہمیں میں نہاں ضررؔ
گم ہیں ہماری ذات میں آفاق کیا کریں



نسبتِ بے ستون صفر رو صفی



چمن میں چل کے نظر جاتی ہے بھٹک دیکھو
ہنسی گلوں کی نہ کلیوں کی تم چٹک دیکھو

تمہارے عشق نے بخشی ہے یہ کسک دیکھو
خلش ہے دِل میں کہ نشتر کی ہے کھٹک دیکھو

تمہارے جسم کے یہ خوش نُما ہلالی خم
نہاں ہے اِن میں کسی تیغ کی لچک دیکھو

نسبتِ بے ستون ضرر وصفی

حیاتِ تیرہ اُجالوں کے ساتھ ہو جیسے
جبینِ شب پہ ہے تاروں کی یوں چمک دیکھو

تمام عمر مہکتا رہا بدن اُس کا
گلوں میں چند ہی لمحوں کی ہے مہک دیکھو

بہت سنبھال کے کشتی کو اپنی چلنا ہے
عجب طرح کی ہواؤں میں ہے سنک دیکھو

سلونے روپ میں جذب و کشش کا یہ عالم
ہے تمکنت میں ملاحت کا بھی نمک دیکھو

شکست خوردہ وہ لشکر ہے پھر مقابل میں
کہاں کہاں سے ملی ہے اسے کمک دیکھو

نگاہ سیر تک ہوتی نہیں اُسے دیکھے
ٹھہر ٹھہر کے ضرر اُس کی اِک جھلک دیکھو



خواب آنکھوں میں ہمارے تو بہت اچھے ہیں
آسماں پر یہ ستارے تو بہت اچھے ہیں

راکھ کی تہہ میں شرارے تو بہت اچھے ہیں
ہم بہرحال کنوارے تو بہت اچھے ہیں

عارضی ہی سہی تکلیفِ حلق کا یہ علاج
گرم پانی سے غرارے تو بہت اچھے ہیں

آپ کی ایک نظر نے ہمیں برباد کیا
عاشقی میں یہ خسارے تو بہت اچھے ہیں

دور کے ڈھول سہانے کی کہاوت کی طرح
دیکھنے میں یہ نظارے تو بہت اچھے ہیں

نسبتِ بے ستون ضرور صفی



شاہراہوں پہ طرح دار بہت اچھے ہیں
رونق افروزئ بازار بہت اچھے ہیں

سرِ محفل کے سردار بہت اچھے ہیں
عارض ولب کے پرستار بہت اچھے ہیں

رعب شاہی کے سب آثار بہت اچھے ہیں
یہ کھنڈر ہو کے بھی مسمار بہت اچھے ہیں

شہر کے قلب میں مینار[ع۱] بہت اچھے ہیں
حیدرآباد کے معمار بہت اچھے ہیں

گونجا کرتے تھے جہاں پیار و وفا کے نغمے
اب بھی وہ وادی[ع۲] وہ کہسار بہت اچھے ہیں

اِن پہ پھنکارتے ناگوں کا گماں ہوتا ہے
تاکمر گیسوئے خم دار بہت اچھے ہیں

ع۱ چارمینار
ع۲ تارہ متی ہلز گولکنڈہ

بنسبت بے ستون ضرر وصفی

دیکھ کر اِن کو کرو حمد و ثنائے یزداں
یدِ قدرت کے یہ شاہ کار بہت اچھے ہیں

گل فشانی کی مِری راہ میں زحمت نہ کریں
آبلہ پا ہوں یہی خار بہت اچھے ہیں

لب و عارض، خمِ ابرو قد گیسو کیا ہیں
سب مِرے قتل کے ہتھیار بہت اچھے ہیں

لطفِ نظارگی ہے مفت مسافر کے لئے
صف بہ صف راہ میں اشجار بہت اچھے ہیں

خودکشی دستے میں اِک فرد ہے جو شخص بم
ہاتھ میں اُس کے ضرر بار بہت اچھے ہیں

ہمیں کیا کام کسی عیش و طرب سے وصفی
ہم کہ افسردہ و غمخوار بہت اچھے ہیں

ث

بنسبت بے ستون ضرر وصفی



عہد و پیمانِ وفا سے یہ مکرتی عورتیں
ریزہ ریزہ دِل کے صحرا میں بکھرتی عورتیں

کارخانوں، دفتروں میں کام کرتی عورتیں
بڑھ کے مردوں سے دِکھا دیتی ہیں پھرتی عورتیں

قینچیوں سے پھول کاغذ کے کترتی عورتیں
غوطہ خوروں کی طرح دل میں اترتی عورتیں

صبح سے تا شام تھیں ویراں جزیرے کی طرح
اِک سمندر بن گئیں شب کو بپھرتی عورتیں

لمس قربت سے دمکتی ماہ تابی رنگتیں
سنگِ مرمر کی کوئی مورت نکھرتی عورتیں

مختلف رنگوں کی وصفی مچھلیاں ہوں حوض میں
بن سنور کر شاہراہوں پر یہ پھرتی عورتیں



خلوص پیار وفا کچھ نہیں زمانے میں
بہ جُز فریب و دغا کچھ نہیں زمانے میں

فقیہِ شہر ہے باقی نہ قاضی الحاجات
عبا، قبا و عصا کچھ نہیں زمانے میں

نہ کوئی حاتم طائی نہ کوئی کوہِ ندا
شہرۂ جود و سخا کچھ نہیں زمانے میں

بنسبت بے ستون ضرر و صفی

دِلوں میں گرمیٔ اُلفت نہ آنکھ میں آنسو
سوائے مکر و ریا کچھ نہیں زمانے میں

شجر سے شاخ کا رشتہ نہ پھول نہ پتہ
چلی ہے کیسی ہوا کچھ نہیں زمانے میں

عجب غرور ہے ذہنوں میں ذات کا اپنے
مقامِ شاہ و گدا کچھ نہیں زمانے میں

نہیں نصیب کسی کو بھی لمحۂ فرصت
ہے کون کیسا پتا کچھ نہیں زمانے میں

خیال و فکر میں روشن چراغ ہیں لیکن
اُجالا اِن سے ذرا کچھ نہیں زمانے میں

ہر ایک شئے کا ضرر ہم نے ذائقہ چکھا
کسی بھی شئے میں مزہ کچھ نہیں زمانے میں



آگ ہی آگ ہے دہکی ہوئی اطراف میرے
مجھے جلتا ہوا کیوں چھوڑ گئے اسلاف میرے

ہیں گہر گہرے سمندر کا صدف میں پنہاں
منکشف ہو نہ سکے لوگوں پہ اوصاف میرے

گرد آلودہ ہے ماحول ہے دھندلایا ہوا
باوجود اِس کے تھے کردار تو شفاف میرے

میرے اللہ کا یہ کیسا کرم ہے مجھ پر
توبہ کرتا ہوں تو ہوتے ہیں گناہ معاف میرے

ہر گھڑی بوجھ سے احساں کے دبا رہتا ہے
بھولتا ہی نہیں وہ شخص تو الطاف میرے

نسبتِ خاص میں رکھتا ہوں غزل سے ہی ضرؔ
ہیں پسندیدہ سخن میں سبھی اصناف میرے



سیرِ افلاک کو راکٹ بنا طیارہ بنا
گردِ راہ آج تو مریخ سا سیارہ بنا

ہو گئے تا بہ اُفق کتنے شرارے رقصاں
تارہ ٹوٹا تو دہکتا ہوا انگارہ بنا

اک تری دید تیرے پیکرِ سیمیں کا خیال
وجہ تسکینِ نظر بس یہی نظارہ بنا

وہی تخلیق ہے اب سرمۂ اربابِ نظر
نب کے افکار کی بھٹّی میں جو فن پارہ بنا

آج اُس شہر کو نفرت کا جہنم نہ بناؤ
پیار اُلفت کا جہاں بھر میں جو گہوارہ بنا

دے سزا بھی مجھے اب جرمِ خموشی کی عجیب
کھینچ کر کھال میری اُس کا تو نقّارہ بنا

اہلِ فن ہو گئے قائل میری حکمت کے ضرر
پانی ٹھہرا ہوا پل بھر میں جو فوّارہ بنا



زوالِ شب میں جو پچھلے پہر کا حصّہ ہے
یہ رات بھر کی مسافت سفر کا حصّہ ہے

بہ غور دیکھ ذرا کون ہے کھرا کھوٹا
ہے حسن شئے میں یا میری نظر کا حصّہ ہے

چمک دمک یہ چکا چوند تاجِ شاہی کی
ہے رعبِ شاہی یا لعل و گہر کا حصّہ ہے

تمام دِن کی تھکاوٹ کے بعد ہوا اِحساس
جہاں میں رہتا ہوں فِردوس گھر کا حصّہ ہے

حباب موج کا کیا سطح سے گزرتے ہیں
سمندروں کا یہ چکر بھنور کا حصّہ ہے

مجھے ملا ہے جو عرفانِ آگہی کا شعور
میرے حضورؐ کے دہلیز و در کا حصّہ ہے

مِلی جو دادِ سُخن بزم میں ضرر وصفی
یہ واہ واہ تو خونِ جگر کا حصّہ ہے





نذرِ سودا

ہیچ دنیا کے سبھی عیش و طرب ٹھاٹ لگے
صحبتِ خاک نشیناں کی اگر چاٹ لگے

تٹ پہ جمنا کے صبح شام ہے اک میلہ سا
ایک جمگھٹ سا حسیناؤں کا ہر گھاٹ لگے

درو دیوار کی صحرا میں ضرورت کیا ہے
بے ستوں گھر ہیں کوئی چھت نہ کوئی ناٹ لگے

خمِ ابرو کی لچک کا کوئی ثانی ہی نہیں
تیر و تلوار و تفنگ سب ہیں سر باٹ لگے

سارے عالم کے لئے امن کا پیغام ہے یہ
ترجمانِ امن کی اشوک یہی لاٹ لگے

پھر کبھی جنگ نہ کرنے کی قسم کھائی تھی
وہ شہنشاہ کے آفاق میں سمراٹ لگے

جتنا ممکن ہو زباں نرم ملائم رکھیئے
زخم بھرتا ہی نہیں اس کی اگر کاٹ لگے

پیچ سب طرۂ دستار کے کھل جائیں گے
میری زرتار قبا میں جو اگر ٹاٹ لگے

یوں زمیں آسماں گردش میں ازل سے ہیں ضرر
جیسے چکی کے چلا کرتے ہیں دو پاٹ لگے



آگ ہی آگ ہے اور دھواں زندگی
بن گئی آج آتش فشاں زندگی

صف آرا ہے خود آج میرے خِلاف
تھی رفیقِ سفر راز داں زندگی

آبِ ساکت کی مانند خاموش ہوں
ہے بھنور کی طرح سر گراں زندگی

ہم سرابوں سے سیراب ہوتے رہے
بن گئی جیسے اندھا کنواں زندگی

جامِ سقراط میں کیسا تریاق تھا
نوش کر کے ہوئی جاوداں زندگی

خموشی کا افسوں جو ٹوٹا ضرر
ہو گئی وقفِ زورِ بیاں زندگی

٭



ہم سفر تم ہو معطّر یہ فضا تم سے ہے
زندگی تم سے ہے جینے کا مزہ تم سے ہے

ساعتِ قربِ نگیں حاصلِ صد عیشِ حیات
لمحہ لمحہ یہاں احساسِ بقا تم سے ہے

رنگ اور نور سے معمور ہوا ہے عالم
رنگ اور نور کی عالم میں ضیا تم سے ہے

تم نہیں ہو تو ہر اک شئے میں کمی سی کچھ ہے
تم مقابل ہو تو اک لُطف نیا تم سے ہے

بے ضرر یارو یہ بے چارہ ضررؔ وصفی ہے
غلط الزام نہ دو دیکھو خفا تم سے ہے



اِک سنگِ ناتراش کو درپن بنا دیا
اِک چوبِ خشک تھا اسے چلمن بنا دیا

ناممکناتِ زیست کو ممکن بنا دیا
تیرا کرم کہ رات کو بھی دِن بنا دیا

محلوں کی شاہ زادی کو جوگن بنا دیا
جیسا بھی جس کو چاہا مِن و عن بنا دیا

ظاہر میں دونوں آنکھوں کی بینائی چھین لی
باطن میں دِل و دماغ کو روشن بنا دیا

حُسن و جمال جذبِ کشش بھر دی کوٹ کر
خوشبو کا اس کے جِسم کو مخزن بنا دیا

جھپکی پلک تو دیکھئے دُنیا بدل گئی
مسکن کو تھوڑی دیر میں مدفن بنا دیا

یہ دستِ کوزہ گر کا کرشمہ تھا اے ضررِ
مِٹی کو رکھ کے چاک پہ برتن بنا دیا



زمین تھوڑی ملی آسمان تھوڑا سا
کشادہ کر نہ سکے ہم جہان تھوڑا سا

ثبوت تنکوں کو دینا پڑا جسارت کا
لیا تھا برق نے کل امتحان تھوڑا سا

قریب اتنے ہوئے جیسے پھول سے خوشبو
رہا نہ فاصلہ کچھ درمیان تھوڑا سا

نشانہ تیر کا ہرگز خطا نہ ہوتا تھا
جھکا کے چھوڑتے ہم جو کمان تھوڑا سا

مرے جنوں سے تھی قائم فضا محبت کی
وگرنہ تھا وہ ضرر بدگمان تھوڑا سا



قیامت خیز ہنگامے ہیں پنہاں میرے شعروں میں
تڑپتی بجلیاں رہتی ہیں رقصاں میرے شعروں میں

غالب و بیدل کا گویا اِک دبستاں کھل گیا
فکر و دانش کے کئی دھارے ہیں پنہاں میرے شعروں میں

تصور میں ہمیں ہو عکس آنکھوں میں تمہارا ہے
تمہیں ہو دل میں آنکھوں میں غزل خواں میرے شعروں میں

یہ کربِ اندروں الفاظ میں جب ڈھل کے نکلے گا
دھنک رنگوں کی ہوگی اِک نمایاں میرے شعروں میں

وہ جسمِ ناز ہی سرمایہ دارِ پیار و اُلفت ہے
اُٹھا دیتا ہے اکثر ایک طوفاں میرے شعروں میں

بلندی آسمانوں کی تخیّل میں جو ہے وصفیؔ
تفکّر بھی ہے صدیوں کا پرافشاں میرے شعروں میں



بینائی اگر آنکھ میں ہو روزنِ زنداں
آئے گا نظر روز ہمیں صحنِ گلستاں

لے کام فراست سے اگر حضرتِ انساں
تاریخ کا بن سکتا ہے اِک بابِ درخشاں

جلتے ہوئے ہونٹوں پہ اُن ہونٹوں کا تصوّر
دُکھتے ہوئے شانوں پہ کوئی دستِ مہرباں

اِک آگ دہکتی ہے میرے جسم کے اندر
سانسوں میں شرارے سے رہا کرتے ہیں رقصاں

جب ساتھ وہ رہتے ہیں تو ہوتا نہیں احساس
تنہائی میں تو زیست نظر آتی ہے ویراں

دُوری کے کڑے کوسوں کو قُربت میں بدل دے
آتے ہیں بہت یاد وہ اب اے شبِ ہجراں

یارب یہ میری آخری خواہش ہے دُعا ہے
خضریٰ ہی کا سایہ ہو میری قبر کا پُرساں

ہے ظرف کسی میں جو صفرؔ آئے مقابل
ہیرا میں دکن کا ہوں وہ ہیں لعلِ بدخشاں

❊



ایک بے گناہ کے ساتھ تو سنگسار میں بھی تھا
مظلوم کے قبیلے کا سردار میں بھی تھا

بیٹھا ہوا تو کھا کے کوئی خار میں بھی تھا
غصّے میں جیسے برہنہ تلوار میں بھی تھا

منصور کی طرح سے سرِ دار میں بھی تھا
سر اُس کی نذر کرنے کو تیار میں بھی تھا

یہ اور بات ہے کہ زباں بند تھی میری
ظلم و ستم سے اُس کے تو بیزار میں بھی تھا

ہر سمت اِک ہجوم تھا آمد کا منتظر
لاکھوں میں ایک تشنۂ دیدار میں بھی تھا

مجنوں کبھی تھا اور میں فرہاد تھا کبھی
ہر روپ میں پردے پہ اداکار میں بھی تھا

پھیلا رہے تھے لوگ تو نفرت کے زہر کو
کرتا ہوا خلوص کا پرچار میں بھی تھا

لہجہ بھی تھا نیا میرا الفاظ بھی نئے
اکیسویں صدی کا قلم کار میں بھی تھا

وہ منحرف تھا اپنے ہر اک قول سے ضرر
اپنے کہے پہ صادق الاقرار میں بھی تھا



نسبتِ بے ستون ضرر وصفی



کعبہ دلِ بتاں نے چھین لیا
نگہِ کافراں نے چھین لیا

حاصلِ زندگی تھے چند آنسو
دامنِ مہرباں نے چھین لیا

لطف جو خامشی میں تھا میری
شورِ آہ و فغاں نے چھین لیا

مجھ سے میرے وجود کو آخر
اِک غمِ ناگہاں نے چھین لیا

اب نہ وہ حوصلہ نہ عزم جواں
سب غمِ رفتگاں نے چھین لیا

ایک قطرہ تھا میں ضرر مجھکو
وسعتِ بیکراں نے چھین لیا



ہم دست و گریباں جو مسائل سے رہے ہیں
اُلجھے ہوئے ہر لمحہ دلائل سے رہے ہیں

سطح کے خاموش حبابوں سے کے روابط
سر پھوڑتی موجِ لب ساحل سے رہے ہیں

چاہیں تو عطا کر دیں حیاتِ ابدی بھی
کہنے کو مگر لوگ یہ قاتل سے رہے ہیں

رگ رگ میں رواں خون کے قطروں کے مراسم
سینے میں دھڑکتے ہوئے اِک دل سے رہے ہیں

خنجر تو کبھی پشت سے ہم نے نہیں گھونپا
ہم برسرِ پیکار مقابل سے رہے ہیں

باطن میں حضر حسن کے خالق سے محبّت
ظاہر میں حسینوں پہ ہم مائل سے رہے ہیں



ہر بات سماعت پہ گراں بول رہا ہے
اندیشہ ہے کٹنے کا زباں بول رہا ہے

ہے عالمِ ہُو شورِ سگاں بول رہا ہے
حیرت ہے خموشی کا جہاں بول رہا ہے

خاموش ہے بسمل کوئی شکوہ نہ شکایت
ہر زخم بہ اندازِ دہاں بول رہا ہے

کہنا تھا جسے اُس نے تو چپ سادھ رکھی ہے
یہ بیچ میں کیوں ابنِ فلاں بول رہا ہے

اے صاحبِ محفل تری محفل کا سب احوال
محفل کے چراغوں کا دھواں بول رہا ہے

ہے مہر بہ لب شہر میں ہر شخص پریشاں
اک مجمعِ شوریدہ سراں بول رہا ہے

آخر کو ضررو صفی یقیں ہو گیا خاموش
ہے شورشِ اوہام گماں بول رہا ہے





بچھڑ کے تجھ سے تری انجمن کو ترسے گا
گہر نکل کے صدف سے سخن کو ترسے گا

دہکتی آگ پہ رکھ دے وجود کو اپنے
رہا نہ تن ہی تو کیا موئے تن کو ترسے گا

پلٹ کے دیکھوں تو پتھر کا بن کے رہ جاؤں
میرا بدن بھی خود اپنے بدن کو ترسے گا

بِنسبتِ بے ستون ضرر وصفی

غروب ہو گیا سورج تو ظلمتِ شب میں
جو راہ میں ہے مُسافر کرن کو ترسے گا

رہائی پا کے قفس سے بھی دیکھنا وحشی
یہ قید و بند کی چُبھتی گھٹن کو ترسے گا

عتابِ ظلِ الٰہی کے بعد شہ زادہ
تخت و تاج کے غم میں وطن کو ترسے گا

نِکل کے محلوں سے گوتم کی طرح جنگلوں میں
سجا کے تن کو بھی وہ پیرہن کو ترسے گا

تڑپ ہے دِل میں اگر عِشق کی ضرر وصفی
ہمارا دِل بھی کبھی نل دمن کو ترسے گا





پرواز جب پروں میں سمٹ جائیگی میاں
منزل قریب آکے پلٹ جائیگی میاں

لکھے ہوتے پہ اس کے تو افسوس ہے فضول
تحریر ہے سلیٹ کی مٹ جائے گی میاں

آثار کہہ رہے ہیں کہ اب تھوڑی دیر میں
یہ تیرگی حیات کی چھٹ جائے گی میاں

یوں ملک میں بغاوتیں بڑھتی گئیں اگر
یہ سلطنت بھی دیکھنا بٹ جائے گی میاں

ہرگز کرو نہ ظلم کہ مظلوم کی اِک آہ
نکلی تو چھاتی عرش کی پھٹ جائے گی میاں

بدلی کی چھاؤں پر نہ کرو اس طرح سے ناز
پل بھر میں سر سے آپ کے ہٹ جائیگی میاں

جب چاندنی زمین پہ اُترے گی رات کو
دیکھے گی اُس کو اور لپٹ جائے گی میاں

مصروف ہے طواف میں تتلی ابھی ضرر
تب دیکھنا یہ گل سے چمٹ جائے گی میاں





جادۂ شب کا مقدر ہے سیاہ
سامنے ایک سمندر ہے سیاہ

کرۂ ارض کا محور ہے سیاہ
خالقِ وقت کا دفتر ہے سیاہ

بُتِ عیار کی فطرت ہے سیاہ
درِ کعبہ پہ بھی چادر ہے سیاہ

پھیر دی کس نے سیاہی ہر سمت
ہر اِک آفاق کا منظر ہے سیاہ

کن گناہوں کی سزا ہے وصفی
تن بدن باہر و اندر ہے سیاہ



گھٹی گھٹی سی عجب ہے فضا قریب آؤ
وجود کی ہے اسی میں بقا قریب آؤ

ہجومِ یاس مخالف ہوا قریب آؤ
یہ کربِ ہجر بھی ہے اک بلا قریب آؤ

یہی ہے رشک کے قابل ادا قریب آؤ
بکھیر کر ذرا زلفِ رسا قریب آؤ

سمٹ چکا ہے ہر اک فاصلہ قریب آؤ
چراغ آخرِ شب بھی بجھا قریب آؤ

جگا کے فتنۂ شرم و حیا قریب آؤ
اُٹھا کے پردۂ مکر و رِیا قریب آؤ

قدم قدم پہ ہے قتلِ نوا قریب آؤ
نہیں ہے اب کوئی نغمہ سرا قریب آؤ

لہو سے پیاس بُجھاتی ہے ملک کی سرحد
پھر اس سے کرنا ہے عہدِ وفا قریب آؤ

ہے کربِ ہجر سے ہر اک عضو نڈھال میرا
مزید رحم کی ہے التجا قریب آؤ

اُٹھا کے ہاتھ ذرا ہاتھ میں تھما دو میرے
سُجھائی دے گا کوئی راستہ قریب آؤ

ہر ایک چہرے پہ چہرہ لگا ہوا ہے ضرر
قدم قدم ہے فریب و دغا قریب آؤ



وصل کی وہ ساعتیں وہ رت جگا آنکھوں میں ہے
کیف و مستی کے نظاروں کا مزہ آنکھوں میں ہے

وہ مقابل سے مسلسل جھانکتا آنکھوں میں ہے
اک شکاری کی طرح سے تاکتا آنکھوں میں ہے

ذہن و دِل میں جیسے کوئی فلم ہو چلتی ہوئی
ہو بہو گزرا ہوا ہر حادثہ آنکھوں میں ہے

ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں دیکھنا ہوگا تمہیں
ہے غلط یہ بات کوئی دوسرا آنکھوں میں ہے

راز اِنؔ آنکھوں کی ویرانی کا کھلتا ہی نہیں
رقص کرتا اِک سنہرا خواب سا آنکھوں میں ہے

صبح کو نظریں ملانے سے وہ کتراتے ہیں کیوں؟
کوئی منظر جیسے اب بھی رات کا آنکھوں میں ہے

لہلہاتے کھیت اور کھیتوں میں گاتی عورتیں
گاؤں کا وہ خوب صورت راستہ آنکھوں میں ہے

ہچکیاں لیتی ہوئی آنکھوں نے سب کچھ کہہ دیا
دل کی بربادی کا سارا ماجرا آنکھوں میں ہے

راحتیں یہ جسم کی یہ روح کی بے چینیاں
قہر برساتا ہوس کا اک نشہ آنکھوں میں ہے

اُن بھیانک وادیوں پر رقص کرتی ہیں گدیں
جن سے چمٹے ہیں جواہر لو تھڑا آنکھوں میں ہے

پیرایۂ اظہار کی سب ہیں کرشمہ سازیاں
عاجزی منت، سماجت التجا آنکھوں میں ہے

دِل کے آئینے میں وصفی عکس گزرے وقت کا
آتے جاتے منظروں کا سلسلہ آنکھوں میں ہے



چہروں کو پڑھ رہا ہوں کتابوں سے نکل کر
محصور خیالوں میں ہوں خوابوں سے نکل کر

آئے ہیں سرِ عام حجابوں سے نکل کر
عریاں ہیں خد و خال نقابوں سے نکل کر

ہے یاد مجھے خوف سے وہ اُن کا لپٹنا!!
جب برق چمکتی تھی سحابوں سے نکل کر

جب ٹوٹ گیا ربط تو خیموں کا مقدّر
آوارہ فضا میں ہیں طنابوں سے نکل کر

اب جنگ کے شعلے تو چلے آئے گھروں تک
توپوں کے دہانوں سے دبابوں سے نکل کر

ہر وقت رہے قبر کی تنہائی کا احساس
جانا ہے صفیؔ شور شرابوں سے نکل کر



حجرۂ شب میں کوئی پیکر لگا
رات بھر خورشید کا بستر لگا

انجم و مہتاب جب روشن ہوئے
عرش پر اترا ہوا لشکر لگا

ابر کے اندر سفر کرتا ہوا
چہرہ گھونگٹ میں مہِ انور لگا

اشک کا قطرہ تمہاری آنکھ سے
جب بھی ٹپکا ہے مجھے گوہر لگا

رٹ لیا ہو جیسے طوطے نے سبق
یوں برہمن کا مجھے منتر لگا

دیدنی ہے اب تخیّل کی اُڑان
شعر میں جب قافیے کا پر لگا

حسن تھا نظروں میں میری اے ضرر
خوب صورت مجھ کو ہر منظر لگا



بنسبت بے ستون حضر وصفی



جنگل میں اک پہاڑ پہ تنہا شجر ہوں میں
میلوں سے نظر آتا ہوں اونچا شجر ہوں میں

دیتا ہوں سایہ اور میں جلتا ہوں دھوپ میں
صحرائے بے کراں کا اکیلا شجر ہوں میں

صحرا کی تپش سے مجھے ملتی ہے رطوبت
بے آب دشت میں کھڑا پیاسا شجر ہوں میں

چوپال جھولے گاؤں کی گوری کے تذکرے
رونق ہے جس سے گاؤں کی ایسا شجر ہوں میں

ملتی ہے میرے سائے سے لوگوں کو اک مٹھاس
کہنے کو نیم کا تو کسیلا شجر ہوں میں

ہر شاخ دیکھو بن گئی تلوار اے ضرر
پت جھڑ کی زرد آندھی کا مارا شجر ہوں میں



کڑے راستوں کو تبسّم بہ لب طے کرو
لے کے ساغر میں بنتِ عنب طے کرو

یوں مقامات اذکار رب طے کرو
اِمتحاں جاں نثاریؔ شاہِ عرب طے کرو

چند لمحوں میں اقصیٰ سے قوسین تک
تم پیمبر نہیں، یوں جو راہِ طلب طے کرو

لے کے پتھر تو ہاتھوں میں آئے ہو تم
پتھراؤ کرنے سے پہلے سبب طے کرو

حادثے میں سڑک پر پڑی لاش ہوں
کیا تھا دنیا میں میرا مذہب طے کرو

ناقدو تم ادیبوں پہ لکھتے ہو
پہلے کیا ہو مقامِ ادب طے کرو

تصوّر میں ہے جو سحر دور ہے
کٹھن ہے مسافت کی شب طے کرو





جب تک حیات ہے غمِ دنیا سمیٹیے
پھر اس کے بعد نعمتِ عقبیٰ سمیٹیے

وہ شخص ہے کہ نور کا دریا ہے اک رواں
کچھ دیر ساتھ رہ کے اُجالا سمیٹیے

مِل جائے شائد آپ کو عرفانِ ذات کچھ
اکسیر ہے یہ خاکِ کفِ پا سمیٹیے

بکھرا ہوا ہوں میں یہاں ریزوں کی شکل میں
گزرا جہاں سے ہوں مرا رستہ سمیٹیے

بوسوں کی راکھ میں ابھی چنگاریاں سی ہیں
دے کر ہوا سی لُطف دوبارا سمیٹیے

دُھن ہے جو آشیاں کی تو گلشن میں جائیے
پھر اپنی چونچ سے ہر اک تِنکا سمیٹیے

نابود ہو چکے ہیں کئی قریئے گاؤں شہر
لاشیں نِکالنا ہے تو ملبہ سمیٹیے

اُس کے خیال میں ہے عجب لمس سا ضرر
گم سم یوں رہ کے لمس یہ تنہا سمیٹیے





ساتھ جب شعلۂ رُخسار ہوا کرتے تھے
جِس طرف دیکھیے انوار ہوا کرتے تھے

یوں محبّت میں گرفتار ہوا کرتے تھے
آنکھوں آنکھوں ہی میں اِقرار ہوا کرتے تھے

لوگ آپس میں مِلنسار ہوا کرتے تھے
کچھ درندے ہی تو خونخوار ہوا کرتے تھے

حق کی خاطر یہاں تلواریں نکل جاتی تھیں
حق سے محروم نہ حق دار ہوا کرتے تھے

دیکھا کرتے تھے وہ تحسین طلب نظروں سے
داد کے مجھ سے طلب گار ہوا کرتے تھے

چترِ شاہی نہ کنیزیں ہیں نہ انبوہِ کثیر
اک کھنڈر ہے جہاں دربار ہوا کرتے تھے

تیز طغیانی میں دریا میں بھی سوہنی مہیوال
لے کے اک کچا گھڑا پار ہوا کرتے تھے

رستے ٹاپوں کی صداؤں سے دہل جاتے تھے
جب رواں جنگ میں اسوار ہوا کرتے تھے

آج وہ بن گئے کیوں راہ کا کانٹا وصفی
کل گلے کا جو میرے ہار ہوا کرتے تھے



بنسبتِ بے ستون مرزو صفی



میں نے کھنگالے سات سمندر
وہ تو چھپا تھا میرے اندر

کتنا دِلکش ہے وہ پیکر
مہکے ہر شب صندل بن کر

حرص و ہوس نے اندھا بنایا
لا حاصل تھی فتحِ سکندر

تنہا تنہا کوہ و بیاباں
بے اُمت ہو جیسے پیمبر

میں بھی بنوں گا اِک دن اِنساں
سوچ رہا ہے کوئی بندر

پوچھتے کیا ہو حال ضرر کا
پل میں مفلس پل میں تونگر

⁂



در نہ دریچہ وا ہے مجھ میں
کیسا شور بپا ہے مجھ میں

میری مٹّی نم ہے اب بھی
سب کچھ ہرا بھرا ہے مجھ میں

اپنی پیاس بجھالے آکر
اِک دریا بہتا ہے مجھ میں

کل تک جو تھا جانِ محفل
وہ تو اب تنہا ہے مجھ میں

سُرخ سمندر ہوں میں شفق کا
سورج ڈوب رہا ہے مجھ میں

انگاروں پہ ہے جیسے وحشی
ایسے میری انا ہے مجھ میں

سوچ کا پودا پیڑ بنا ہے
سایہ اُس کا گھنا ہے مجھ میں

سوکھا بانس بنا ہوں بنسی
یہی نرالی ادا ہے مجھ میں

آوازوں کا شور ہے ہر سو
محفلِ شہر نوا ہے مجھ میں

یادیں ہیں یا جشنِ چراغاں
میلہ سا اک لگا ہے مجھ میں

نسبِ صلِ اعلیٰ سے میرا
خونِ آلِ عبا ہے مجھ میں



بچپن چھوٹا اور جوانی ساتھ چلے
وقت کی کرنی کارستانی ساتھ چلے

پیا ملن کی آس سہانی ساتھ چلے
باندی لے کر سرمہ دانی ساتھ چلے

باہم کوئی جذب و کشش کا نام نہیں
چلنا اِک عادت ہے پرانی ساتھ چلے

ساتھ چلے ہم دونوں تو لوگوں نے کہا
ایک دیوانہ ایک دیوانی ساتھ چلے

خوشبو کا مخزن ہے جیسے اس کا بدن
دِن کا راجا رات کی رانی ساتھ چلے



زندہ ٹھہرا میں تنہا
گھر کا ملبہ میں تنہا

سامنے ہے اک آئینہ
میرا چہرہ میں تنہا

اُڑن کھٹولہ اور پریاں
خواب سنہرا میں تنہا

ناگ ہزاروں پیچھے ہیں
بین کا لہرا میں تنہا

دو چار درندے اور جنگل
رات اور راستہ میں تنہا

میرے گھر کی آب نہ پوچھ
بحر ہوں گہرا میں تنہا

کرفیو شہر میں سنّاٹا
میرا کمرہ میں تنہا

ٹکڑے یہ تصویروں کے
بکھرا بکھرا میں تنہا

بوجھ ضرر اٹھتا ہی نہیں
ہر شاخ پہ ثمرہ میں تنہا

بنسبت بے ستون صفر و صفی



پھر اُس کے ہاتھ میں چاقو دکھائی دیتا ہے
کٹا ہوا میرا بازو دکھائی دیتا ہے

کھنچا ہوا خمِ ابرو دکھائی دیتا ہے
جبیں پہ آپ کی بچھو دکھائی دیتا ہے

تمہارا ہاتھ لگا درد ہو گیا کافور
تمہارے ہاتھ میں جادو دکھائی دیتا ہے

یہ بادشاہ تو اِنصاف کرنے والا ہے
یہاں پہ نصب ترازو دکھائی دیتا ہے

ہر ایک پل یہ بڑھاتا ہے ہجر کا احساس
خالی خالی جو پہلو دکھائی دیتا ہے

تمہارا چہرہ دمکتا ہے ایسے آنچل سے
ندی میں چاند کا پرتو دکھائی دیتا ہے

وہ تخم کے لئے چھوڑا گیا ہے اے وصفی
جو خشک بیل پہ کدو دکھائی دیتا ہے





میں جتنی دیر ترے جسم کے بحر میں رہا
عجیب لمس میری روح کے بھنور میں رہا

یہ اور بات کہ گوشہ نشین گھر میں رہا
میرا دماغ مگر مستقل سفر میں رہا

بدن تھا کانچ کا میں پتھروں کے گھر میں رہا
ہر ایک لمحہ یہاں ٹوٹنے کے ڈر میں رہا

میری شناخت کسی جوہری کا حصہ ہے
صدف سے نکلا تو میں تمغۂ ظفر میں رہا

دل و دماغ پہ چھایا ہوا غبار سا ہے
گہن سے نکلا بھی تو دھند میں کھر میں رہا

ضرورتیں میری سب مال و زر کی تابع تھیں
ہمیشہ میں یہاں بس فکرِ مال و زر میں رہا



نیزے کی اَنی سے کبھی شمشیر سے پہونچا
ٹکڑا مجھے روٹی کا یہ تقدیر سے پہونچا

کل ظلِ الٰہی نے طلب مجھ کو کیا تھا
دربار میں باندھا ہوا زنجیر سے پہونچا

کٹ جاؤ رہِ حق میں مگر سر نہ جھکاؤ
پیغام جہاں کو سرِ شبیرؑ سے پہونچا

نصرت کی بشارت بھی ملی خواب میں کل رات
صلح کا پیغام بھی اب تیر سے پہونچا

پیتل کو ضررؔ صفی بنا لیتا ہے سونا
نسخہ یہ عجب اُس کو کسی پیر سے پہونچا



تمام عمر جو گم نامیوں میں رہتا ہے
حصارِ ذات کی تنہائیوں میں رہتا ہے

عجیب شور سا طغیانیوں میں رہتا ہے
سکوت ٹھہرے ہوئے پانیوں میں رہتا ہے

وہ برگ زرد کا ماتم چمن کی تاراجی
اُداس پیڑ بھی ویرانیوں میں رہتا ہے

تکلّفات سے عاری ہے یوں حسینوں میں
کہ جیسے خواجہ سرا رانیوں میں رہتا ہے

وہ لطف دے نہ سکے وصل کے حسین لمحے
جو لُطفِ ہجر کی طولانیوں میں رہتا ہے

نسبتِ بے ستون مزدو صفی



چراغِ خانہ بجھایا ہے آدھی رات کے بعد
چراغِ جسم جلایا ہے آدھی رات کے بعد

صدائے تیشہ شراروں کی فصل لائی ہے
یہ کس نے تیشہ اٹھایا ہے آدھی رات کے بعد

وہ چاندنی میں نہاتا ہوا حسین پیکر
زمیں پہ چاند اتر آیا ہے آدھی رات کے بعد

وہ لمسِ قربِ صراحی جسم سے روح میں
پھر اس نے آج گرایا ہے آدھی رات کے بعد

بدن کے سارے تقاضے وہ کر گیا پورے
بدن کا قرض چکایا ہے آدھی رات کے بعد

دعائے نیم شبی بے اثر نہیں وصفی
خدا کو ہم نے منایا ہے آدھی رات کے بعد



چھلکتا موج پہ کف جو دکھائی دیتا ہے
کنارِ آب چٹانوں کو کائی دیتا ہے

ہر ایک سانس میں خوشبو اُسی کے نام کی ہے
جو دھڑکنوں میں دِلوں کو سنائی دیتا ہے

اُسی کے حکم کی تعمیل روح کرتی ہے
جو قیدِ جسم سے مجھ کو رہائی دیتا ہے

فضا میں چوم کے لہرا رہا ہے ہاتھ کوئی
میرے اشارے پہ بوسہ ہوائی دیتا ہے

کہیں بہے یہ لہو رائیگاں نہیں جانا
میرے قلم کو صزرؔ روشنائی دیتا ہے



اوٹ میں ہاتھوں کی جو مٹی کا دیا ہے
ہر تیرگیٔ وقت کا دِل چیر رہا ہے

کب قتل پہ قاتل میرا محبوب ہوا ہے
نیزے پہ لئے سر کو میرے گھوم رہا ہے

سورج کو ہتھیلی پہ لئے کون کھڑا ہے
یہ کون اندھیروں میں ضیا بانٹ رہا ہے

صدیوں سے گھرانے میں ہے ہجرت کی روایت
ہر نسل کو اِک کرب کا صحرا ہی مِلا ہے

اندازِ ضرر کا تو خطیبانہ ہے لیکن
سر پہ ہے عمامہ نہ تو ہاتھوں میں عصا ہے

بنسبت بے ستون صرز وصفی



راتوں کی دلکشی ہے اُجالوں کے شہر میں
تلوار سرنگوں ہوئی ڈھالوں کے شہر میں

اک آن میں یوں بن گئے سب لقمۂ اجل
لاشوں کے تھے پہاڑ جیالوں کے شہر میں

کٹتا گیا وجود میرا اپنے آپ سے
میں آگیا ہوں زرد خیالوں کے شہر میں

کرتب دکھا کے روز وہ بھرتا تھا اپنا پیٹ
بے گور جو پڑا ہے کمالوں کے شہر میں

میدانِ کارزار میں ہم جیت کے لیے
تیر و کمان لائے ہیں بھالوں کے شہر میں

بارود سے بھری ہوئی بوجھل فضائیں ہیں
ہے قتل و خون روز دوشالوں[1] کے شہر میں

---

[1] سرما کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالہ
اقبالؒ



چراغِ دیر نہ شمعِ حرم کی بات کرو
یہ مئے کدہ ہے یہاں جامِ جم کی بات کرو

حیات اپنی فقط چند ساعتوں کی ہے
وجود کچھ بھی نہیں ہے عدم کی بات کرو

زباں پہ آئے نہ ہرگز کوئی گلا شکوہ
ہمیشہ اُس کے ہی فضل و کرم کی بات کرو

خوشی کا کیا ہے خوشی آ کے گزر جاتی ہے
ہوا جو ذات میں تحلیل غم کی بات کرو

یہ بزمِ خاک نشیناں ہے اے مزروصفی
یہاں کسی کے نہ جاہ و حشم کی بات کرو



لوگ لہجے کا یہ انداز سمجھ لیتے ہیں
کرب سے بھاری ہے آواز سمجھ لیتے ہیں

بھول کر ساز پہ مضراب کی جنبش کا اثر
گیت مغنی کو ہی دم ساز سمجھ لیتے ہیں

یہ قفس ہے یہاں محتاط رویہ رکھنا
پر جھٹکنے کو بھی پرواز سمجھ لیتے ہیں

لوگ چہرے کے اُتار اور چڑھاؤ سے یہاں
اندرونے میں چھپے راز سمجھ لیتے ہیں

کام آتی نہیں نقّالی اُڑانوں میں ضرر
یہ ممولا ہے کہ شہباز سمجھ لیتے ہیں



مجھے مونس و مہرباں دے دے
اِن بتوں کو بھی اب زباں دے دے

ہو رہا ہے یقیں مِرا محکم
اُسے تھوڑا سا اب گماں دے دے

ہم نے بت خانے جو تراشے ہیں
نقرئی ان میں گھنٹیاں دے دے

برگِ نوخیز ہوں گرا نہ مجھے
اور کچھ اپنی گرمیاں دے دے

راستے سخت پاؤں گھائل ہیں
اپنے ہاتھوں کی نرمیاں دے دے

جو گریباں ابھی سلامت ہیں
اُن کے حصّے میں دھجیاں دے دے

در سے خالی نہ جائے کوئی ضرر
کچھ نہیں ہے تو کرچیاں دے دے



کبھی پیادوں کو پچھاڑا کبھی اسوار میں تھا
برق کی طرح لپکتا ہوا یلغار میں تھا

صرورِ کشف کوئی صاحبِ مزار میں تھا
امیرِ شہر بھی در پہ کھڑا قطار میں تھا

ایک پتھر جو مرے دستِ طلبگار میں تھا
کانپتا شہرِ صدا کانچ کی دیوار میں تھا



ہجر اک کربِ مسلسل ہے بلا ہے یارو
قرب کے لمس میں جینے کا مزہ ہے یارو

اب شبِ تار کا غم ہے نہ سحر کی خواہش
میرے ہمراہ تو اک ماہ لقا ہے یارو

کبھی دستک کا درِ دل پہ گماں ہوتا ہے
یا یہ کلیوں کے چٹکنے کی صدا ہے یارو

پھر کسی غنچۂ لب بستہ نے سرگوشی کی
دیر تک کانوں میں گھنگھرو سا بجا ہے یارو

ہجرتوں سے ہے تعارف مرا صدیوں پہ محیط
کربِ ہجرت مجھے ورثے میں ملا ہے یارو

عالمِ ہو ہے کہ سناٹے بھی سر دھنتے ہیں
اپنے بارے میں خدا سوچ رہا ہے یارو

کسی منصوبے کا پابند نہیں ہوں میں ضرر
ہے مرا دل بھی کھلا، ذہن کھلا ہے یارو





آدمی دشمن آدمی کا ہے
سامنا اِک نئی صدی کا ہے

نیکی کیسے ہو فتح مند یہاں
گرم بازار تو بدی کا ہے

موج، طوفاں نہ کوئی طغیانی
ذکر اِک خشک سی ندی کا ہے

آپ گم گشتہ کی خبر لاؤ
امتحاں اپنی آگہی کا ہے

کس قدر مجھ کو چاہتے ہیں وہ
تذکرہ اُن کی بے رخی کا ہے

بات تاریکیوں کی رہنے دو
جشن تو آج روشنی کا ہے



جلوس کیسا میرے شہر کے بازار میں تھا
تمام مال و متاع راکھ کے انبار میں تھا

لپکتے شعلوں نے چہرہ دکھا دیا اس کا
ایک مخلص بھی میرا مجمعِ اشرار میں تھا

ہوں برگِ زرد کی مانند در بہ در تنہا
سکون راس نہ آیا تو انتشار میں تھا

وہ شخص مانگ کے کھاتا ہے اس کو کیا معلوم
مزہ جو ہاتھ سے توڑے ہوئے انار میں تھا

بدن سے میرا تعلق تو عارضی تھا ضرر
جُدا بدن سے کبھی روح کے حصار میں تھا





کربل میں شام ہو گئی ہے
سعیِ حق تمام ہو گئی ہے

تم رہو گم رہی کے غاروں میں
آگہی میرے نام ہو گئی ہے

رخِ خنداں سے صبح پھوٹے گی
زلف کی شام ہو گئی ہے

ذکر سے آپ کے جو عاری ہے
بات وہ ناتمام ہو گئی ہے

چشمِ مے گوں کا فیض تھا وصفی
ہر نظر جام ہو گئی ہے



کچھ جنوں کا وقار رکھتا جا
پیرہن تار تار رکھتا جا

حوصلے سرد ہی نہ پڑ جائیں
راکھ میں کچھ شرار رکھتا جا

اِن بہاروں کا کیا بھروسہ ہے
کچھ خزاں سے بھی پیار رکھتا جا

حادثے جِس سے ہوں تہہ و بالا
عزم میں وہ وقار رکھتا جا

غرق مت ہو کبھی سمندر میں
تو زمیں پر مزار رکھتا جا



کوئی شکوہ نہ اب گلہ لکھو
خشک موسم کو بھی ہرا لکھو

خاک جو در بدر کی ہے تن پر
بن گئی آج کیمیا لکھو

شاخ سے ٹوٹ کر گرا ہوں میں
موسموں کی مجھے صدا لکھو

کرب دل میں نمی ہے آنکھوں میں
ہوں سراپا اک التجا لکھو

وہ میرے روبرو ہوئے تو کیا
درمیاں میں ہے فاصلہ لکھو

ہے عجب عشق کا کرشمہ یہ
اجنبی کو بھی آشنا لکھو

نازکی اُس کی بانکپن میرا
ہر اک انداز ہے جُدا لکھو

خوابِ غفلت سے قوم ہو بیدار
مرثیہ قوم کا نیا لکھو

ہر منظر شب چراغ ہے وصفیؔ
حال اندھی گھپاؤں کا لکھو



وہ خوشبو کا اِک سیلاب
کیوڑا، صندل اور گلاب

دِن کو سورج، شب مہتاب
دیکھے تجھ کو، کس میں تاب

سیج ہے مخمل اور کمخواب
ٹاٹ بدن پر ہے سنجاب

درویشی کی شان ہے یہ
شاہِ وقت ہے پیشِ رکاب

نرم رویّہ رکھنا ہے
سختی سے ہے دِل بے تاب

بٹ گئے دھارے پانی کے
جہلم، راوی اور چناب

مجھ میں کوئی بولتا ہے
خاموش کہاں رہتا ہوں جناب

مشکل ہے دوری سے ضمیر
امتیازِ آب و سراب

٭



گم راہیوں کی نذر جوانی ہوئی میری
پیری میں زیست شرم سے پانی ہوئی میری

مجھ کو فنا کے بعد بقائے دوام ہے
ہستی سیاہ، سفید سے دھانی ہوئی میری

وابستہ جس سے عہدِ جوانی کی یاد تھی
وہ شیروان بھی تو پرانی ہوئی میری

فرہاد و قیس رشک سے تکتے ہیں میرا منہ
مشہور دو جہاں میں کہانی ہوئی میری

گم نام و بے نشان رہا عمر بھر تو کیا
مرنے کے بعد قبر نشانی ہوئی میری

سورج نے الوداعی نگاہ ڈال کر کہا
صدیوں سے ہے یہ خاک تو چھانی ہوئی میری

یادِ وطن کا کہیئے کرشمہ اسے ضرر
غربت میں آج شام سہانی ہوئی میری





فنا کی آہٹیں ہیں اور میں ہوں
بھیانک دستکیں ہیں اور میں ہوں

کچھ آفاقی ضدیں ہیں اور میں ہوں
انا کی چشمکیں ہیں اور میں ہوں

انتقامی سازشیں ہیں اور میں ہوں
بموں کی بارشیں ہیں اور میں ہوں

یہ درد و کرب، یہ آہیں یہ کراہیں
سبھی دکھتی رگیں ہیں اور میں ہوں

تمہارے قرب سے روشن بدن میں
چراغوں کی لویں ہیں اور میں ہوں

نسبتِ بے ستون ضررؔ وصفی

کنارِ آب زخمی کر دیا اُس نے بدن سے
تڑپتی کچھ بطیں ہیں اور میں ہوں

سُرنگوں کے دھماکے ہو رہے ہیں
نزاعی سرحدیں ہیں اور میں ہوں

اُجالے مہر و ماہ سے چِھن گئے ہیں
ظلمتیں ہی ظلمتیں ہیں اور میں ہوں

ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن گیا ہوں
سرِ میداں گِدھیں ہیں اور میں ہوں

کہو زانی، شرابی یا جواری
پرانی کچھ لتیں ہیں اور میں ہوں

ضررؔ وصفی تخلص بھی ہے میرا
بہت سی تہمتیں ہیں اور میں ہوں



شہرت کی آس خواہشِ رسوائی بھی نہیں
ایسا تماشا جس کا تماشائی بھی نہیں

افسوس کیسے دور میں پیدا ہوئے ہیں ہم
رہنے کو گھر ملا ہے تو انگنائی بھی نہیں

حق کے حمایتی نہ بنے باطل ہو سر نگوں
اسلاف کی سی ہم میں وہ سچائی بھی نہیں

غالب تو بوریئے کے لئے بھی ترس گئے
اور اپنے پاس کہنے کو اِک پائی بھی نہیں

اقسام اب وہ آموں کے باقی نہیں ضرر
ویران کھیت ہو گئے امرائی بھی نہیں



لکیر دھن کی جبین پر اُبھرنے والی ہے
ذرا سی دیر میں قسمت سنورنے والی ہے

بپھر اُٹھا جو سمندر تو آگیا سیلاب
ندی تو اپنی حدوں میں گزرنے والی ہے

حضورِ عرش ہیں یوں جبرئیل پر تولے
وحی رسولؐ پہ کوئی اُترنے والی ہے

فساد فتنے ہیں سازش کا زہر پھیلا ہے
یہ موتیوں کی لڑی پھر بکھرنے والی ہے

بقا کا حکم ملا ہے فنا کے بعد ضرر
نہ مر سکے گا کوئی موت مرنے والی ہے



چشمہ نہ کوئی دشت میں آثارِ جھیل ہیں
پانی نہیں ہے پھر بھی مگر خود کفیل ہیں

ہر اک کو اپنی اپنی مسافت پہ ناز ہے
ایستادہ رہ گزر میں کئی سنگِ میل ہیں

باطل کی دہکی آگ بھی گلزار بن گئی
دیکھو رضائے حق کا وہ پیکر خلیل ہیں

تنہا حضورِ حق میں ہوئے بار یاب آپؐ
ہمراہ نہ رہبری کو وہاں جبرئیل ہیں

وصفیؔ ملا نہ آبلہ پائی کا کچھ مزہ
کانٹے ہماری راہ کے کتنے بخیل ہیں



رُخ پر ملال آنکھ تھی نم یاد آ گئے
وقتِ وداع، وہ آپ کے غم یاد آ گئے

جب بھی ہوا ہے سامنا یارو حیات کا
وہ روبرو ہے اُس کے ستم یاد آ گئے

آئینہ دیکھ کر ہوئے رنجور وہ بہت
خود پر پڑی نگاہ تو ہم یاد آ گئے

سوچا تھا بیٹھ کر کہیں کانٹے نکال لوں
سوزن ملی تو راہ کے غم یاد آ گئے

جب ناؤ اپنی جا کے کنارے پہ لگ گئی
طوفاں کے سارے جھوٹے بھرم یاد آ گئے



نکلے چمن سے رونقِ گل دان ہو گئے
ہم برنگاہِ یار کے اِحسان ہو گئے

دانا تھے جتنے وقت پہ نادان ہو گئے
کچھ مصلحت شناس مہربان ہو گئے

کچھ کرب ناک لمحوں نے ہی حوصلہ دیا
لمحے وہی حیات کا عنوان ہو گئے

سورج کی روشنی سے چمکتے ہیں ذرّے جو
ذرّے وہ آفتاب کی پہچان ہو گئے

حق کے تھے سینکڑوں تو طلب گار اے ضررؔ
وقت آپڑا ہے حق پہ تو انجان ہو گئے



فرشِ گل ہے یہ درندوں کو مسل جانے دو
راندی ہوئی الفت کو نیا حوصلہ مل جانے دو

تیز تر کر دو ذرا آپ بھی پائل کی صدا
کچھ لٹیرے ہیں تعاقب میں بہل جانے دو

موم بن جائے گی سنگینیٔ دوراں اک دن
کربِ لمحات کو احساس میں ڈھل جانے دو

تپتے صحرا پہ برسنے کو اُٹھی ہے جو گھٹا
زد سے سفاک ہواؤں کی نکل جانے دو

خام ہے پیاس تو کچھ دن کے لئے اور ابھی
دشت وصحرا کے سرابوں سے بہل جانے دو

اُنھیں ذرّات سے بنتے ہیں جزیرے وصفیؔ
دشت کی ریت کو دریاؤں سے مل جانے دو

٭



سایہ دیتے شجر کٹے کیسے
دھوپ میں یہ سفر کٹے کیسے

اِک پرندہ زمیں پہ آکے گِرا
آسمانوں پہ پر کٹے کیسے

درِ خونی پہ وہ محبّ وطن
سخت جاں تھے مگر کٹے کیسے

شام تو انتظار میں گزری
ہے یہ مشکل سحر کٹے کیسے

پھول کی پنکھڑی ہے ہاتھوں میں
اور ہیرے کا ہے جگر کٹے کیسے





کاش کہتے بھلا بُرا پتھر
صِرف سنتے ہیں ماجرا پتھر

وار پہلا اگر گیا خالی
پھینکئے کوئی دوسرا پتھر

گھر کی دیوار بن گیا جب سے
کتنے آفات میں گھرا پتھر

وہ جُھکا موم بن کے قدموں پر
جب بھی ہم بن گئے ذرا پتھر

پوجا جانے لگا خدا کی طرح
بن گیا بت جو کھردرا پتھر

زینتِ تخت و تاج ہوتا ہے
سُرخ، نیلا ہو یا ہرا پتھر

شب کا سناٹا جاگ اُٹھا ہے صفی
کسی شیشے پہ پھر گرا پتھر

٭



بات کرنے کا ہمیں تھوڑا ہنر آیا ہے
تازہ غزلوں میں نیا خونِ جگر آیا ہے

دِل سے نکلی ہوئی آہوں کا اثر آیا ہے
خشک جنگل میں کوئی جیسے شرر آیا ہے

کتنے شاداب حسیں جسموں کو چھو کر سورج
لے کے یادوں کی شفق شام کو گھر آیا ہے

میری تاراجی میں تعمیر نہاں ہے میری
جتنا جھلسا تھا بدن اتنا نکھر آیا ہے

لاش بے گور و کفن چھوڑ کے قاتل میرا
درِ حاکم پہ طبق میں لیے سر آیا ہے

پھر وہی رات وہی حبس وہی تنہائی
چاند محبس کی فصیلوں سے اُتر آیا ہے



اہلِ جنوں نے کام یہ سو بار کر دیا
سر بلندِ حق کو سرِ دار کر دیا

اُس نے جب اپنے جرم سے انکار کر دیا
بپھرے ہوئے ہجوم نے سنگسار کر دیا

دیوانگی نے وقت پہ ہوشیار کر دیا
موقع ملا تو وا لبِ اظہار کر دیا

جس بات سے ضمیر میرا مطمئن نہ تھا
اُس بات کو دماغ نے انکار کر دیا

دشمن فصیلِ شہر کے باہر تھا خیمہ زن
اندر سے کس نے شہر کو مسمار کر دیا

وصفیؔ غزل کو دیتے رہو خونِ دل نیا
لوگوں نے پست نظم کا معیار کر دیا



کوہ کی بلندی پر گھونسلہ بناتے ہیں
کچھ پرندے نیچوں کا حوصلہ بناتے ہیں

نرم گیلی مٹی پر، بیٹھ کر لبِ ساحل
میرا نام لکھ کر وہ دائرہ بناتے ہیں

آڑی ترچھی لکیریں کھینچ کر نہ جانے کیوں
آپ میری قسمت کا زائچہ بناتے ہیں

آپ کی گلی سے ہم دار کی بلندی تک
اپنے خون سے رنگین راستہ بناتے ہیں

ڈوب کر خضر وصفی لوگ گہرے پانی میں
سطح کی خموشی پر بلبلا بناتے ہیں

قطعات

شاخ پر کچھ پرند بیٹھے ہیں
کھا کے کوئی گزند بیٹھے ہیں
ہے شکاری بھی اِک تعاقب میں
تاک میں کچھ درند بیٹھے ہیں



عزمِ تکمیلِ آرزو کیا ہو
حادثے آئینہ دِکھاتے ہیں
آرزوں کا خون پی پی کر
یاس کے دیوِ مسکراتے ہیں





اب یہ صدمے سہے نہیں جاتے
دلِ نازک پہ بوجھ ہے دھڑکن
جگمگاتے ہیں اُس طرف ایواں
اِس طرف ہیں چراغ بے روغن



حسرتوں کے چراغ ہیں ہم لوگ
اِک شکستہ ایاغ ہیں ہم لوگ
تن پہ کپڑا نہ پیٹ میں دانہ
اور پھر باغ باغ ہیں ہم لوگ



جگمگاتے طرب کے چہرے پر
غم کا کوئی نشاں نہیں ہوتا
خون خوشیوں کا پی نہ لے جب تک
غم قوی اور جواں نہیں ہوتا





آج میں پھر رہا ہوں آوارہ
راستے کے غبار کی مانند
ہر تمنّا ملول ہے میری
کسی اُجڑے دیار کی مانند



راہ کی مشکلوں سے کہہ دینا
پھر سے سرگرم ہو رہا ہوں میں
سخت بنجر زمین ہے لیکن
تُخمِ اُمید بو رہا ہوں میں



دھیمے دھیمے سُروں کی لے جیسے
ساز کے تار سے ہے وابستہ
یوں میری زندگی کا ہر لمحہ
آپ کے پیار سے ہے وابستہ

❖



میرا لکھا ہوا کوئی نغمہ
لے میں اپنی ذرا سنا جاؤ
میرے خواب و خیال کی دنیا
آج بھی منتظر ہے آجاؤ



رہبری جب جنوں کی ہوتی ہے
خوف کا پاس تک نہیں ہوتا
راہ دشوار ہے کہ آساں ہے
مطلق اِحساس تک نہیں ہوتا



نورِ اخلاص رُخ پہ لاتے ہیں
یوں بناوٹ سے مسکراتے ہیں
دوست خود دوستی کے پردے میں
دشمنی کے دیئے جلاتے ہیں



گھول دے تلخیاں ہوں جتنی بھی
پھیکی پھیکی ہے ساقیا یہ شرابؔ
یوں غموں میں ہے زندگی میری
جیسے شعلوں کے درمیاں ہو گلاب



سینکڑوں جذبے سینکڑوں افکار
رقص فرما ہیں ذہن میں ایسے
کالی راتوں میں آسمانوں پر
رقص کرتی ہوں بجلیاں جیسے



آج ماضی کی عشرتوں کے نقش
ذہن میں یوں اُبھر کے آئے ہیں
جیسے انگنت زخم سینے کے
مدتوں بعد بھر کے آئے ہیں

ختم شد